فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ

محمد انس حسان ☆

''مآخذ'' سے وہ ذرائع مراد ہیں جن سے قانون اخذ کیا جاتا ہے یا وہ مقامات ہیں جہاں سے قانون دلائل کے ساتھ حاصل کیے جاتے ہیں۔ قانون کی کتابوں میں ماخذ کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) ماخذ صوری: قانون کا وہ ماخذ ہے جس کے ذریعے وہ اپنا جواز اور اثر حاصل کرتا ہے۔

(۲) ماخذ مادی: قانون کا وہ ماخذ ہے جس سے قانون اپنا مواد حاصل کرتا ہے۔(۱)

اصولِ فقہ کی کتب میں عمومی طور پر فقہ اسلامی کے مآخذ چار بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) قرآن مجید (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس

صاحبِ 'نور الانوار' کے نزدیک فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ تین ہیں:

الکتاب والسنة واجماع الامة (۲)

''کتاب (یعنی قرآن حکیم)' سنت اور امت کا اجماع (فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ ہیں)۔''

نیز وہ قیاس کو ماخذ تو سمجھتے ہیں لیکن اس کو الگ ذکر کرتے ہیں اور فقہ کے بنیادی مآخذ میں اس کا شمار نہیں کرتے۔

مولانا محمد تقی امینی ؒ کے نزدیک فقہ اسلامی کے مادی مآخذ عمومی حیثیت سے بارہ ہیں:

(۱) قرآن حکیم (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) استحسان (۶) استدلال

(۷) استصلاح (۸) مسلمہ شخصیتوں کی آراء (۹) تعامل (۱۰) عرف اور رسم و رواج

(۱۱) ماقبل کی شریعت (۱۲) ملکی قانون

مولانا کے نزدیک اصولِ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً صرف پہلے چار کا ذکر ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مآخذ کو بعض میں داخل سمجھا گیا ہے اور اختصار کے طور پر صرف چار کا ذکر کر کے ان کی تعبیر و توجیہ اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے عموم میں بقیہ داخل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قیاس کے عموم میں استحسان' استصلاح وغیرہ داخل ہیں۔ اجماع میں تعامل و رسم و رواج داخل ہیں۔ ماقبل کی شریعت قرآن یا حدیث کے عموم میں آتی ہے۔ ملکی قانون تعامل میں شمار ہو سکتا ہے۔ آراء اگر قیاس پر مبنی ہیں تو ان کا شمار قیاس میں ہوگا ورنہ وہ سماع پر محمول حدیث کے ذیل میں آ جائیں گی۔ استدلال بھی قیاس کے قریب ہے۔(۳)

ذیل میں فقہ اسلامی کے بنیادی مآخذ کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

☆ استاد جامعہ قاسم العلوم' ملتان

قرآن مجید: فقہ اسلامی کا پہلا ماخذ

قرآن مجید فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے۔ چونکہ یہ سلسلۂ ہدایت کا آخری ایڈیشن ہے اس لیے اس کی جملہ تعلیمات و تفہیمات کا ہر زمانہ میں یکسانیت کے ساتھ پایا جانا لازمی تھا' اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا کہ تمام شعبہ ہائے زندگی کے حدود اربعہ بنا کر اس کے خطوط متعین کر دیے جائیں۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود جامع ومانع ہے اور اس میں زندگی کے تمام شعبوں کے متعلق واضح احکام موجود ہیں' لیکن ان احکامات کی حیثیت اصول کی ہے۔ قرآن نے ایسا نہیں کیا کہ ابتدا ہی سے احکامات سے متعلق تمام جزئیات بیان کر دی ہوں' بلکہ اس میں تدریج کا طریقہ بروئے کار لایا گیا۔ اس حوالے سے مولانا محمد تقی امینی کا تجزیہ یہ ہے کہ اگر بالفرض ابتدا ہی میں ساری جزئیات بیان کر دی جاتیں اور عملی شکل کے سارے خاکے تیار کر دیے جاتے تو ایک تو اس کی دستوری پوزیشن باقی نہ رہتی' دوسری بڑی بات یہ ہوتی کہ اس کی دوامی اور عالمگیر حیثیت ختم ہو کر ساری تعلیم مخصوص زمانہ تک محدود ہو جاتی اور پھر اس میں جمود و تعطل پیدا ہو کر ارتقا پذیر معاشرے کو سمونے اور اقتضاء ومصالح کو جذب کرنے کی ساری صلاحیت ختم ہو جاتی۔(۴)

مثال کے طور پر قرآن مجید نے اس بات کی تو وضاحت کی ہے کہ حکومت اللہ کی نیابت وامانت ہوگی اور ہر مسلمان کے لیے شورائی بنیاد پر عدل وانصاف کے نظام کے قیام کو ممکن بنانا لازم ہوگا' لیکن یہ تفصیل نہیں بتائی کہ یہ نظام کس نوعیت کا ہوگا اور اس کی ہیئت ترکیبی کیا ہوگی؟ اسی طرح قرآن مجید نے ہر حرام اور حلال چیز کا فرداً فرداً ذکر نہیں کیا اور نہ ہی حیاتِ انسانی سے متعلق ہر جزوی معاملہ کو موضوعِ بحث بنایا' بلکہ اصول متعین کر دیے۔ اب ان متعین اصولوں سے مطلوبہ نتائج اخذ کرنا اور ان کی علت تلاش کر کے حالات وزمانہ کے مطابق ان کی عملی تطبیق پیش کرنا اہلِ علم پر چھوڑ دیا۔ مولانا اس حوالے سے اپنی ذاتی رائے کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''اس بارے میں فقہاء وصلحائے امت نے جزئیات کی تفاصیل بتا کر جو کار ہائے نمایاں انجام دیے ہیں وہ سب اپنے اپنے زمانہ کے حالات کی مناسبت سے تھے اور آج بھی ہمیں حق ہے کہ ان جزئیات کی روشنی میں مقصد اور اصول کے پیش نظر اپنے زمانہ کے حالات وتقاضا کے مناسب طریقہ کار کی جزئیات مرتب کریں۔ اس مرتب شدہ جزئیات کی حیثیت بھی پہلی جزئیات کی طرح قطعی اور دوامی نہ ہوگی بلکہ معاشرہ کی حالت پر موقوف ہوگی اور اسی وقت تک باقی رہے گی جب تک معاشرہ اجازت دے گا''۔(۵)

فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی ؒ نے اس موضوع پر باقاعدہ ایک کتاب لکھی ہے اور اس میں حالات وزمانہ کے مطابق فقہی جزئیات میں تبدیلی اور اس کی ضرورت پر بڑی جامع بحث فرمائی ہے۔ ذیل میں علامہ شامیؒ کی اسی کتاب سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

''جاننا چاہیے کہ مسائل فقہ یا صریح نص سے ثابت ہوں گے (ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل میں بیان کیا ہے) یا اجتہاد اور رائے سے ثابت ہوں گے۔ ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے ہیں جن کو مجتہد نے اپنے زمانہ کے رواج کے موافق قائم کیا تھا۔ اس طرح کہ اگر وہ (دینی مجتہد) آج کے زمانہ میں موجود ہوتا تو اپنے ہی قول کے خلاف کہتا۔ اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں نے اس کو بھی شامل کیا ہے کہ مجتہد

لوگوں کے رسم ورواج سے واقفیت رکھتا ہو' کیونکہ اکثر احکام زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں' بوجہ اس کے کہ رواج بدل گیا یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی یا زمانہ کے لوگ بدروش ہو گئے۔ اس صورت میں اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو تکلیف اور ضرر پہنچے۔ اور شریعت کے ان قواعد کی مخالفت زمانہ کے حالات کے موافق تھی' کیونکہ مشائخ کو یہ معلوم تھا کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انہوں نے کہا"۔(٦)

بہرحال ان فقہی احکامات کی جزئیات مرتب کرنے اور جدید مسائل کی عصری تطبیق کے حوالے سے فقہ اسلامی کے پہلے ماخذ یعنی قرآنِ کریم نے سات چیزوں کو اپنا فقہی اصول قرار دیا ہے جن سے رہنمائی حاصل کر کے قرآنی منشا کے مطابق ہر دور کے شرعی مسائل حل کیے جا سکتے ہیں۔ یہ سات اصول درج ذیل ہیں:

(١) عدمِ حرج (٢) قلتِ تکلیف (٣) تدریج (٤) نسخ (٥) شانِ نزول
(٦) حکمت وعلت (٧) عرب کی معاشرتی حالت

اگر عمومی طور پر قرآنِ کریم کا جائزہ لیا جائے تو اس میں امتِ اسلامیہ کی نفسیات اور طبعی میلانات کی رعایت اور لحاظ کرتے ہوئے درج ذیل احکامات کو ملحوظ رکھا گیا ہے:

(١) اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی ایسا حکم نہ دیا جائے جس میں ناقابلِ برداشت مشقت ہو۔
(٢) لوگوں کی رغبت اور میلان کے پیشِ نظر بعض ایسے احکام مقرر ہوئے جنہیں قومی عید کے طور پر منایا جائے اور ان میں جائز اور مباح حد تک خوشی منانے اور زیب وزینت کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔
(٣) طاعات کی ادائیگی میں طبعی رغبت اور میلان کو ملحوظ رکھا گیا اور ان تمام محرکات و دواعی کی اجازت دی گئی جو اس میں مددگار ثابت ہوں' بشرطیکہ ان میں کوئی قباحت نہ ہو۔
(٤) طبعی طور پر جن چیزوں سے قباحت ہوتی ہے یا طبیعت بار محسوس کرتی ہے اس کو ناپسند کیا گیا۔
(٥) حق واستقامت پر قائم رہنے کے لیے تعلیم وتعلّم' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو دوامی شکل دی گئی کہ طبیعت کو اسلامی مزاج کے مطابق ڈھالنے میں مدد ملتی ہے۔
(٦) بعض احکام کی ادائیگی میں عزیمت اور رخصت کے دو درجے مقرر کیے گئے' تاکہ انسان اپنی سہولت کے پیشِ نظر جس کو چاہے اختیار کرے۔
(٧) بعض احکام میں رسول اللہ ﷺ کے دو مختلف قسم کے عمل مذکور ہوئے اور حالات کے پیشِ نظر دونوں پر عمل کی گنجائش رکھی گئی۔
(٨) بعض برائیوں میں مادی نفع سے محروم کرنے کا حکم دیا گیا۔

احکام کے نفاذ میں تدریجی ارتقاء کو ملحوظ رکھا گیا' یعنی نہ ایک ہی وقت میں سارے احکام مسلّط کیے گئے اور نہ ہی ساری برائیوں سے روکا گیا۔

(٩) تعمیری اصلاحات میں قومی کردار کی پختگی اور خامی کی رعایت کی گئی۔
(١٠) نیکی کے بہت سے کاموں کی پوری تفصیل بیان کی گئی۔ اس کو انسانوں کی سمجھ پر نہیں چھوڑا گیا' ورنہ بڑی دشواری پیش آتی۔

(۱۱) بعض احکام کے نفاذ میں حالات ومصالح کی رعایت کی گئی اور بعض میں اشخاص ومزاج کی۔(۷)

چنانچہ قرآنِ کریم جو کہ فقہ اسلامی کا بنیادی ماخذ ہے' اس سے ہمیں مندرجہ بالا اصولوں سے کافی رہنمائی ملتی ہے۔

سُنّت: فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ

فقہ اسلامی کا دوسرا ماخذ سنت ہے۔ سنت کے لغوی معنی راستہ اور طریقہ عمل کے ہیں۔ اصطلاح میں لفظ سنت رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال اور تقریر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ابتدا میں حدیث اور سنت کو الگ الگ سمجھا جاتا تھا' لیکن بعد میں اس میں یہ جزوی تبدیلی کی گئی کہ حدیث سے رسول اللہ ﷺ کے جملہ اقوال' افعال اور دوسروں کے وہ اقوال وافعال جن پر رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرمایا مراد لیا گیا' جبکہ سنت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اقوال وافعال کو بھی داخل کیا گیا۔ اس بنیاد پر صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال بھی سنت میں داخل ہیں' جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ذکر ملتا ہے۔

السنة تطلق علی قول الرسول ﷺ وفعله وسکوته وعلی اقوال الصحابة وافعالهم(۸)

''سنت کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور سکوت پر نیز صحابہ کرامؓ کے اقوال وافعال پر ہوتا ہے۔''

صاحب کشف الاسرار لکھتے ہیں:

''سنت کا لفظ آنحضور ﷺ کے اقوال وافعال نیز طریقِ رسول وصحابہ کو شامل ہے۔''(۹)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کے مطابق:

''ہر وہ چیز جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے نسبت رکھتی ہے وہ حدیث ہے اور علمِ حدیث میں شامل ہے۔''(۱۰)

فقہ اسلامی کو سمجھنے اور مسائلِ حاضرہ کے استخراج کے حوالے سے سنت کو بنیادی ماخذ سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ علماء وفقہاء نے تدوین فقہ کے حوالے سے سنت کی درج ذیل معلومات کا ہونا ضروری قرار دیا ہے:

(۱) ناسخ ومنسوخ (۲) مجمل ومفسّر (۳) خاص وعام (۴) محکم ومتشابہ (۵) احکامات کے درجے اور مراتب (۶) قرآن سے استدلال (۷) درایت وروایتِ حدیث کا علم

مولانا محمد تقی امینی رحمہ اللہ سنت کے اس حصے کے متعلق' جس کا تعلق عام واقعات ومواعظ سے ہے' لکھتے ہیں:

''عام فقہاء کے خیال میں (کذا) قانون سازی کے لیے اس سے واقفیت ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اجتماعی زندگی کو سمجھنے اور اس حیثیت سے قانون کا مقام متعیّن کرنے' نیز قانون کو مؤثر بنانے میں اس سے بڑی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اس کو نظر انداز کر کے قانون کی تدوین عمل میں لائی جائے تو اس میں خشکی اور کرختگی ہوگی اور جذب ومحبت کا عنصر کم ہو جائے گا جو اسلامی قانون کی جان ہے۔''(۱۱)

اسی طرح سنت کی تشریحی وتوضیحی حیثیت کی مختلف صورتوں کے حوالے سے مولانا امینی کا حاصلِ مطالعہ درج ذیل ہے:

(۱) قرآن حکیم میں جو آیات مجمل تھیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تشریح فرمائی۔

(۲) جو مطلق تھیں' موقع اور عمل کے لحاظ سے انہیں مقید فرمایا۔

(۳) جو مشکل تھیں ان کی تفسیر بیان فرمائی۔
(۴) جو قرآنی احکام مجمل تھے یعنی ان کے عمل کی کیفیت' اسباب و شرائط اور لوازم وغیرہ کی تفصیل نہ تھی' رسول اللہ ﷺ نے ان کی تفصیل بیان فرمائی' چنانچہ نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کی جو تفصیلات ''سنّت'' میں مذکور ہیں وہ سب قرآنِ حکیم کی شرح اور وضاحت ہیں۔
(۵) قرآنی توضیحات کی روشنی میں بہت سے پیش آمدہ واقعات کا حکم بیان فرمایا' مثلاً حلّت و حرمت کے باب میں جو احکام مذکور تھے ان پر مشتبہ اور مشکوک چیزوں کو قیاس کیا جن کی تصریح قرآن حکیم میں نہ تھی۔
(۶) قرآنی اصول و مقاصد کے پیش نظر وقت اور محل کی مناسبت سے وسائل و ذرائع کا حکم بیان فرمایا۔
(۷) قرآنی تصریحات سے ایسے اصول مستنبط فرمائے جن سے نئے حالات و مسائل کو قیاس کرنے کی راہیں کھلیں۔
(۸) قرآنی احکام کے وجوہ و اسباب اور حکمت و مصلحت بیان فرمائی جس سے بہت سے اصول و کلیات مستنبط ہوئے۔
(۹) قرآنی ہدایات سے الٰہی حکمت اخذ کی' اس کے مقاصد دریافت فرمائے' پھر اسی کی روشنی میں شریعت کو انسان کی عملی زندگی سے ہم آہنگ بنایا۔
(۱۰) بحیثیت مجموعی زندگی ایسی گزاری کہ قرآنی زندگی کے لیے وہ مکمل تفسیر بنی۔[۱۲]

ایک فقیہ کسی بھی شرعی مسئلہ کے استخراج کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید کا مطالعہ کرتا ہے اور قرآن کی آیاتِ احکام پر' جو کہ ۵۰۰ کے قریب ہیں' نظر دوڑاتا ہے۔ اگر اس مسئلہ کا حل قرآنِ مجید کی کسی آیت سے معلوم نہیں ہوتا تو پھر سنت نبوی ﷺ میں اسے تلاش کرتا ہے تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے۔ سنت میں فقہی مسائل کے استخراج کی کئی مثالیں موجود ہیں:

(۱) قرآنِ کریم نے نماز' روزہ' زکوٰۃ' صدقات' حج اور اسی نوع کی دیگر عبادات کا حکم دیا ہے۔ لیکن چونکہ قرآنِ کریم کی مثال text کی ہے اور اس کی شرح سنت سے معلوم ہوسکتی ہے تو اسی لیے ہمیں نماز کی ادائیگی' رکعت' وقت اور اسی طرح دیگر عبادات کی کافی حد تک تشریح سنت سے معلوم ہوگی۔ چنانچہ ان عبادات کی جزئیات تک رسائی سنت کا سہارا لیے بغیر ممکن نہیں۔
(۲) قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف:۱۵۷) ''(ہمارے رسول مکرم ﷺ) پاک چیزیں ان کے لیے حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزیں ان کے لیے حرام ٹھہراتے ہیں''۔ اب پاک و ناپاک چیزوں کی وضاحت کیسے معلوم ہوگی تو اس کے لیے سنت سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ نے ہر اس جانور کا گوشت حرام قرار دیا جو شکار کر کے کھاتا ہے تو اس سے حرام جانور کا تعین ہوگیا۔ اس کے علاوہ جو پرندہ کسی جانور کا شکار کر کے کھائے اسے بھی حرام قرار دیا اور اسی طرح پاک چیزوں کی تعیین بھی کر دی۔
(۳) سنت اگر موجود نہ ہو تو قرآنِ کریم کی بہت سی آیات کا معنی لغت یا کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوسکتا۔ قرآن کریم میں اعتکاف کا تذکرہ آیا ہے' لیکن اعتکاف سے کیا مراد ہے؟ عاکف کس کو کہتے ہیں؟ قرآنِ کریم میں اس طرح کے سینکڑوں احکامات موجود ہیں جن کی تعبیر و تشریح کے لیے سنت کی تعبیر و تشریح

سامنے ہونا از حد ضروری ہے۔

(۴) قرآن کریم میں تیمم کا ذکر آیا ہے' لیکن اس کی تفصیلات اور دیگر احکام کی فقہی تعبیر کے لیے سنت کا مطالعہ ضروری ہے۔

(۵) قرآن کریم کا اصول ہے :﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ (النساء:۲۹) ''ایک دوسرے کا مال غلط طریقہ سے مت کھاؤ ماسوائے اس صورت میں کہ تمہاری آپس کی باہمی رضامندی سے تجارت اور لین دین ہو''۔ چنانچہ اگر باہم رضامندی سے تجارت یا لین دین ہو تو وہ جائز ہے' لیکن اگر یہی عمل باطل طریقوں سے کیا جائے تو اس کی ممانعت کی گئی۔ اب یہ قرآن کا عام اصول ہے' لیکن اس کا انطباق کیسے ہوگا؟ اور کن کن صورتوں میں ہوگا؟ اس کے حوالے سے بے شمار حدیثوں میں تشریحی نکات ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر حدیث میں اس بیع سے منع کیا گیا ہے جس میں کوئی ''مال'' بیچنے والے کے قبضے میں نہ ہو' تاکہ فساد سے بچا جا سکے۔[۱۳] چنانچہ اگر کوئی شخص درخت پر لگے کچے پھل کی بیع کرتا ہے یا پانی میں موجود مچھلیوں کی بیع کرتا ہے تو چونکہ اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ جتنے میں بیع ہوئی مال اس سے زیادہ یا کم نکلے تو اس صورت میں جھگڑے کا اندیشہ ہے۔ لہٰذا اسلام نے ایسی بیع کی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ ظاہراً یہ بھی ایک تجارت ہے۔

(۶) قرآن حکیم میں ارشاد ہے : ﴿وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ﴾ (النساء:۲۳) یعنی ''دو بہنوں سے ایک وقت میں نکاح جائز نہیں ہے''۔ لیکن حدیث نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ پھوپھی اور بھتیجی سے بھی ایک وقت میں نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح بھانجی اور خالہ سے بھی بیک وقت نکاح نہیں ہو سکتا۔

ان تمام مثالوں سے یہ سمجھنا کہ سنت کا کام محض یہی ہے کہ وہ قرآنی احکامات کی تشریح کر دے' درست نہیں۔ بلکہ سنت کا کام براہِ راست احکام دینا بھی ہے اور اس پر عمل کرنا اُمت پر واجب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جائز و ناجائز کے بہت سے مسائل ایسے ہیں جو ہمیں براہِ راست سنت سے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر خیارِ شرط کی نبی کریم ﷺ نے اجازت دی۔ یعنی ایک شخص اگر کوئی چیز خریدتا ہے اور بیچنے والے سے یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر مجھے یہ چیز پسند نہ آئی تو تین دن تک میں اس بیع سے رجوع کر سکتا ہوں۔ اب یہ حکم براہِ راست قرآن کریم میں موجود نہیں' لیکن یہ اسلامی اصولِ بیع کا حصہ ہے اور فقہ حنفی کے مطابق اس پر عمل لازم ہے۔

اسی طرح دیگر بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے سنت کا براہِ راست ماخذ شریعت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سے کئی پیچیدگیوں سے چھٹکارا ملتا ہے اور کئی مشکلات آسان ہو جاتی ہیں۔

اجماع: فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ

فقہ اسلامی کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کا لغوی معنی ہے کسی بات پر متفق ہو جانا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ﴾ (یونس:۷۱) ''تم اپنی بات طے کر لو اور اپنے شریکوں کو اکٹھا کر لو۔''

فقہاء کی اصطلاح میں اجماع کسی معاملہ پر اُمتِ اسلامیہ کے اہلِ علم طبقہ کے اتفاق کرنے کو کہتے ہیں۔

جیسا کہ اصول کی کتابوں میں آتا ہے:

وھو اتفاق اھل الحل والعقد من امۃ محمد ﷺ علی امر من الامور (۱۴)

''حضرت محمد ﷺ کی امت کے اہلِ حل وعقد کے کسی معاملہ میں اتفاق کا نام اجماع ہے۔''

جمہور علماء نے اجماع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''اتفاق المجتھدین من امۃ محمد ﷺ بعد وفاتہ فی عصر من العصور علی حکم شرعی (۱۵)

''رسول کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے مجتہدین کا کسی شرعی حکم پر اتفاقِ رائے کر لینے کو اجماع کہتے ہیں۔''

علامہ علی بن محمد الآمدیؒ فرماتے ہیں:

اتفق اکثرالمسلمین علی ان الاجماع حجۃ شرعیۃ یجب العمل بہ علی کل مسلم خلافاً للشیعۃ والخوارج والنظام من المعتزلۃ (۱۶)

''اکثر مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اجماع حجت شرعیہ ہے اور تمام مسلمانوں کا اس پر عمل کرنا واجب ہے' شیعہ' خوارج اور معتزلہ کے برعکس (کہ وہ اس کو نہیں مانتے)۔''

امام شافعی ﷫ نے سب سے پہلے اجماع کا حجت ہونا ثابت کیا' اس کی تعریف لکھی اور اسے فقہ اسلامی میں معتبر سمجھا (۱۷)۔ امام شافعیؒ اجماع کو حجتِ شرعیہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حجتِ شرعیہ صرف اللہ کی کتاب' سنت رسول اللہ ﷺ اور ائمہ کا اجماع ہے۔ علم کے تین درجات ہیں: کتاب' حدیث نبوی ﷺ اور اس مسئلہ میں ائمہ کا اجماع' جس کے بارے میں کوئی نص شرعی موجود نہیں ہے۔'' (۱۸)

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ (۱۹۵۰ء۔۲۰۱۰ء) نے اجماع کی بڑی جامع اور خوبصورت تعریف بیان کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''اجماع سے مراد یہ ہے کہ کسی نئے پیش آنے والے فقہی اور شرعی نوعیت کے معاملے پر امت کے فقہاء اور مجتہدین تفصیل کے ساتھ آزادانہ یعنی کسی حکومتی' سرکاری یا بیرونی اثر ورسوخ کے بغیر محض دلائل کی روشنی میں غور وفکر کریں اور قرآن وسنت کے دلائل کی روشنی میں اس کا حل تلاش کریں۔ پھر ان کے آپس کے تبادلہ خیال سے جب وہ متفقہ طور پر کسی ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں تو وہ متفقہ نتیجہ اور فیصلہ اجماع کہلائے گا۔'' (۱۹)

نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں اجماع کا ثبوت نہیں ملتا' کیونکہ نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ لوگوں میں موجود تھی اور کسی بھی مسئلہ میں آپ ﷺ ہی سے رجوع کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ڈاکٹر حمید اللہؒ (۱۹۰۸ء۔۲۰۰۲ء) لکھتے ہیں:

''عہد نبوی میں اس کی ضرورت ہی نہیں تھی' اس لیے کہ اگر کوئی سوال پیدا ہوتا تو لوگ فوراً رسول اللہ ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ فیصلہ فرما دیتے جو قطعی اور آخری ہوتا تھا۔ آپس میں مشورہ کر کے کسی پر متفق ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔'' (۲۰)

لیکن نبی کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے محروم ہو جانے کے بعد عہدِ صحابہ میں اجماع کی بنیاد پڑی۔ جس طرح تمام فقہاء کے نزدیک اجماع شریعت میں حجت ہے اور شریعت کا بنیادی ماخذ ہے اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع پر بھی سب فقہاء کا اتفاق ہے اور تمام اس پر عمل کو لازم قرار دیتے ہیں۔ اور اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال متعدد ہوں تو فقہاء جس قول کو پسند کرتے اختیار کر لیتے۔ لیکن تابعین اور تبع تابعین کے اقوال میں اس اصول کے پابند نہیں تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے پہلے اس ضرورت کو محسوس کیا۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو باہر جانے سے روک دیا گیا تھا تاکہ پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور جس پر یہ تمام متفق ہو جائیں اسے اجماعِ امت سمجھا جائے۔ چنانچہ عہدِ صحابہ میں اجماع کی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں:

(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فیصلہ کیا کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کو اسی طرح سمجھا جائے گا جیسے کوئی شخص نماز کا منکر ہے' اور جو نماز کا منکر ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے منکر کو بھی دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ان لوگوں کے خلاف جہاد کیا جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار کیا تھا۔ شروع میں بعض صحابہ کو یہ سمجھنے میں تامل ہوا کہ نماز اور زکوٰۃ کو ایک سطح پر کیسے رکھا جائے اور کسی ایک جزوی حکم کے نہ ماننے کو پوری شریعت کے انکار کے برابر کیسے مانا جائے؟ لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ قسم خدا کی میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان کوئی فرق نہیں کروں گا اور جس نے یہ فرق کیا میں اس کے ساتھ جنگ کروں گا یہاں تک کہ میری جان اس میں چلی جائے۔[۲۱]

(۲) اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق کی مفتوحہ زمینیں فوج میں تقسیم کرنے کی بجائے انہیں وقف قرار دے دیا اور اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔[۲۲] اس کی سند یہ تھی کہ زمین ان کے اصل باشندوں کے پاس رکھی جائے اور ان پر خراج عائد کر دیا جائے تاکہ مسلمانوں کو آمدنی ہو اور بیت المال مضبوط ہو' جس کے نتیجے میں فوجیوں' سرکاری ملازمین' ضرورت مندوں کے اخراجات کا بندوبست ہو سکے اور دیگر رفاہی کام بھی انجام دیے جا سکیں۔

(۳) واقعہ یمامہ میں قُرّاء کی بڑی تعداد کی شہادت کے بعد اس اندیشہ کے پیشِ نظر کہ اگر قراء یونہی شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآن ضائع نہ ہو جائے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے قرآن کو مصحف کی صورت میں جمع کرنے پر اصرار کیا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اس طرح صحابہ کرامؓ کے اس اجماع کی صورت میں قرآنِ کریم کی تدوین عمل میں آئی۔[۲۳] نیز جمع کرنے کی ترتیب اور اس کے اصول بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ہی طے ہوئے۔

(۴) تیسری مرتبہ چوری کرنے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔[۲۴]

(۵) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیس تراویح کے حوالے سے کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اعتماد میں لیا اور باقاعدہ مشاورت سے

اس کا حکم جاری فرمایا[۲۵]۔ یہ بھی صحابہ کرامؓ کے اجماع کی ایک مثال ہے۔

اجماع کا دین میں حجت ہونا تین امور پر مبنی ہے۔ گویا اجماع کی اساس ان تین امور پر قائم ہے:

(۱) اجماع کی اساسِ اول یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عام سیاسی امور میں صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کرتے اور باہم تبادلہ افکار کرتے تھے۔ جب تمام لوگ ایک بات پر متفق ہو جاتے تو اس کو قانون کا حصہ بناتے اور اگر اختلاف رونما ہوتا تو اکثریت کا ساتھ دیتے۔

(۲) اجماع کی دوسری اساس یہ ہے کہ دورِ اجتہاد میں ہر امام کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ ان سے کوئی ایسا شاذ قول صادر نہ ہو جو ان کے یہاں فقہاء کے خلاف ہو تا کہ اس کے طرزِ فکر کو اجنبی نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ تمام ائمہ اپنے علاقہ کے اجماع کی بڑی سختی سے پابندی کرتے تھے۔

(۳) اجماع کی تیسری بنیاد وہ دلائل ہیں جن سے حجیت اجماع ثابت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر نبی کریم ﷺ کا یہ قول: ((اِنَّ اُمَّتِیْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰی ضَلَالَۃٍ))[۲۶] ''میری اُمت گمراہی پر جمع نہ ہوگی۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''فَمَا رَاٰی الْمُسْلِمُوْنَ حَسَنًا فَھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ حَسَنٌ''[۲۷] ''جس بات کے متعلق مسلمانوں کا اتفاق رائے ہو گیا وہ اللہ کے نزدیک بھی خوب ہوگی۔''

اجماع کی حجیت کے حوالہ سے فقہاء نے اس کی درجہ بندی کی ہے کہ کون سا اجماع کس نوعیت کا ہوگا۔ چنانچہ اسے تین درجوں میں تقسیم کیا ہے:

(۱) سب سے اعلیٰ درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے' جو حدیث متواتر اور دلائل قطعی کا درجہ رکھتا ہے۔

(۲) دوسرے نمبر پر تابعین کا اجماع ہے' جو کسی غیر اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہو۔ یہ حدیث مشہور کا درجہ رکھتا ہے۔

(۳) تیسرے درجہ کا اجماع وہ ہے جو کسی اجتہادی مسئلہ میں منعقد ہوا ہو۔ یہ خبر واحد کی طرح ظنی ہے۔

اجماع کے اختیارات کی وسعت اور باقاعدہ اجماع منعقد ہو جانے کے بعد معاشرتی حالات و واقعات کے مطابق اس میں ترمیم و تنسیخ کے حوالے سے مولانا محمد تقی امینیؒ درج ذیل نکات بیان فرماتے ہیں:

(۱) حالات اور تقاضوں کی مناسبت سے نئے قوانین وضع کرنا۔

(۲) پرانے اجماعی فیصلے جو مصلحت کے تابع تھے' ان میں موجودہ حالات و مصلحت کے پیش نظر مناسب ترمیم کرنا۔

(۳) وہ احکام جو بتدریج نازل ہوئے ہیں' معاشرتی حالات کے لحاظ سے انہیں مقدم و مؤخر کرنا۔

(۴) وہ احکام جن میں عرب کے مقامی حالات' رسم و رواج' خصائل و عادات مخلوط ہیں' ان کی روح اور پالیسی برقرار رکھتے ہوئے جدید حالات کے پیش نظر ان کے لیے نئے قالب تیار کرنا۔

(۵) وہ احکام جو وقتی تقاضے اور مصلحت کے تحت ہیں' موجودہ تقاضے اور مصلحت کے تحت ان میں مناسب ترمیم کرنا۔

(۶) رسول اللہ ﷺ کے اصحاب جن احکام میں مختلف الرائے ہیں' معقول دلیل کی بنا پر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا۔

(۷) فقہاء کی مختلف آراء میں معاملات و تقاضوں کی مناسبت سے ترجیحی صورت پیدا کرنا' وغیرہ۔[۲۸]

جہاں تک اجماع کے شرعی حکم کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ اس کا فیصلہ نہایت مستند اور واجب العمل ہے' جیسا کہ صاحبِ توضیح کا یہ قول ہے:

فان استنبط المجتھدون فی عصر حکما واتفقوا علیہ یجب علی اھل ذلك العصر قبولہ فاتفاقھم صار بینۃ علی ذٰلك الحکم فلا یجوز بعد ذلك مخالفتھم (۲۹)

''جب مجتہدین نے کسی زمانہ میں کسی حکم کا استنباط اور اس پر اتفاق کیا تو اس زمانہ والوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے' اس کی مخالفت جائز نہیں' کیونکہ یہ اتفاق اس حکم پر بطور دلیل کے ہے۔''

لیکن چونکہ اجماعی فیصلہ میں زمانہ کے اقتضا اور فقہاء کی فکری و ذہنی حالت کو بڑا دخل ہوتا ہے اس بنا پر اس کا اتباع خاص اسی زمانہ والوں پر واجب ہوگا' بعد کے لوگ حالات کی تبدیلی کی بنا پر دوسرے اجماعی فیصلہ پر عمل کرنے کے مجاز ہوں گے۔ اسی طرح ایک ہی زمانہ میں اگر حالات بدل جائیں تو اجماعی فیصلہ بھی بدل جائے گا۔ (۳۰)

عصر حاضر میں اجماع کی واضح مثال مسئلہ ختم نبوت ہے' جس پر تمام علماء وفقہاء کا اجماع ہو چکا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے علماء وفقہاء دورِ حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز پر بھی اس اصول کا اطلاق کرتے ہوئے امت کی درست سمت پر رہنمائی کریں۔

قیاس: فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے۔ قیاس کے لغوی معنی ہیں: اندازہ کرنا' پیمائش کرنا' مطابق اور مساوی کرنا۔ چنانچہ ''قاس الثوب بالذراع'' کے معنی ہیں: ''قدراجزاء ہ بہ'' (کپڑے کی ذراع سے پیمائش کی)۔ اسی طرح ''یقاس فلان بفلان فی العلم والنسب'' کے معنی ہیں: ''یساویہ فی العلم والنسب'' (علم اور نسب میں وہ اس کے برابر ہے)۔ (۳۱)

قیاس کا لفظ دو چیزوں میں مساوات و برابری نیز دو چیزوں کے مابین موازنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (۳۲)

اصطلاحِ فقہ میں قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

الحاق امر غیر منصوص علی حکمہ الشرعی بامر منصوص علی حکمہ لا شتراکھما فی علۃ الحکم (۳۳)

''حکم کی علت میں اشتراک کے سبب اس معاملہ کو جس کے شرعی حکم کے بارے میں نص وارد نہیں ہوئی' ایسے معاملہ کے ساتھ ملحق کرنا جس کے حکم کی بابت نص وارد ہوئی ہے (قیاس کہلاتا ہے)۔''

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق:

تسویۃ فرع باصل فی حکم لعلۃ جامعۃ بینھما (۳۴)

''فرع اور اصل میں حکم کے علت کی بنیاد پر برابری کرنا جو ان دونوں میں یکساں ہیں۔''

مولانا محمد تقی امینیؒ علامہ ابن تیمیہ ؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے قیاس کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی ہے:

فالقیاس الصحیح مثل ان تکون العلة التی علق بها الحکم فی الاصل موجودة فی الفرع من غیر معارض فی الفرع یمنع حکمها(۳۵)

''قیاس صحیح مثلاً یہ ہے کہ جس علت پر اصل میں حکم کا مدار ہے وہی علت فرع میں موجود ہو اور فرع میں کوئی رکاوٹ ایسی نہ ہو جو اس میں حکم جاری ہونے کو روک سکے۔''

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ نے قیاس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''شریعت اور فقہاء کی اصطلاح میں قیاس سے مراد یہ ہے کہ اصل حکم میں پائے جانے والی علت کو دوسرے نئے حکم پر منطبق کرنا (قیاس کہلاتا ہے)۔''(۳۶)

جمہور علماء وفقہاء اسے حجتِ شرعی تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ تو اسے فقہی ترتیب میں تیسرے درجے پر رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق چونکہ اس کی اجازت نبی کریم ﷺ نے خود دی تھی اس لیے اس کا درجہ اجماع سے زیادہ ہونا چاہیے۔(۳۷)

محمد بن صالح العثیمینؒ کے مطابق قیاس تمام علماء کے نزدیک دلیلِ شرعی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

واما جمهور الامة فقالوا: ان القیاس دلیل شرعی ثابت فی الکتاب و فی السنة و فی اقوال الصحابة(۳۸)

''جمہور اُمت کے بقول قیاس دلیل شرعی ہے جو قرآنِ کریم، سنتِ رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال سے ثابت ہے۔''

قیاس فقہ اسلامی کا انتہائی اہم ماخذ ہے۔ زمانہ چونکہ تغیر پذیر ہے اور ہر آنے والا دن نئے مسائل اور نئے چیلنجز کے ساتھ رونما ہو رہا ہے تو اس صورت میں فقہ اسلامی کا دیگر تمام مذاہب کے مقابلے میں یہ خصوصی امتیاز ہے کہ وہ ان جدید مسائل کے حوالے سے واضح رہنمائی کرتی نظر آتی ہے۔

اسلامی شریعت نے ایک ایسا خودکار نظام وضع کر دیا ہے کہ جس میں قانون اور نظام کے اساسی قواعد و اصول نیز دستور اور آئین کے اساسی تصورات سب کے لیے مشترک اور واجب التعمیل ہیں۔ تمام انسان یکساں طور پر ان اصولوں کے پابند ہیں۔ اس جامعیت اور تنوع کی وجہ اس کی وقعت نظری اور آزادیٔ رائے ہے جو ہر دور میں اُس کی ترقی کے لیے مدد ومعاون ثابت ہوتی آئی ہے۔

اگر ایک دور میں کسی مسئلہ پر قیاس سے کام لیتے ہوئے کوئی نتیجہ اخذ کیا گیا تھا اور آنے والے وقت نے اُس کی کسی شق پر کوئی سُقم پایا تو اس دور کے فقہاء کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے قیاس سے کام لیتے ہوئے اس مسئلہ کا کوئی اور حل تجویز کریں جو قرآن وسنت سے زیادہ قریب ہو۔ اس کی بکثرت مثالیں ہمیں فقہ اسلامی کی کتب میں ملتی ہیں۔ اس آزادیٔ رائے نے فقہ اسلامی کی اہمیت میں بہت اضافہ کر دیا ہے، اور یہ سب قیاس سے استفادہ کی صورت ہی میں ممکن ہوسکا ہے۔ قیاس کی اسی اہمیت وافادیت کے حوالے سے قرآنِ کریم، سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے بہت کچھ رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

قرآنِ کریم میں قیاس کی بنیاد کے حوالے سے درج ذیل آیاتِ مبارکہ سے رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) ﴿لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ﴾ (التوبۃ:۱۲۲)
''تاکہ دین میں فہم وبصیرت حاصل کرتے۔''

(۲) ﴿فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ﴾ (الحشر)
''پس اے دیکھنے والو! عبرت حاصل کرو۔''

یہاں ''اِعْتَبَرَ'' کا مطلب ہے ''رَدّ الشّئ الی نظرہ'' کسی چیز کو اس کی طرف لوٹانا۔

(۳) ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (الجمعة:۲)
''اور وہ انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب وحکمت کی۔''

(۴) ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴾ (النحل)
''ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اتارا تاکہ آپ ﷺ لوگوں کے سامنے اس چیز کو بیان کردیں جو ان کی طرف بھیجی گئی ہے تاکہ وہ خود غور وفکر کریں۔''

(۵) ﴿وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾ (النساء:۸۳)
''اور اگر وہ اس کو اللہ کے رسول اور اہلِ علم تک پہنچا دیتے تو ان میں سے جو استنباط کرنے والے ہیں وہ سمجھ جاتے۔''

یہ اور اسی طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں جن میں قیاس اور فکر وشعور کی بنیاد پر سوچنے سمجھنے کی دعوت دی گئی ہے۔

(۱) قیاس کی دلیل نبی کریم ﷺ کے عمل سے بھی ملتی ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم ﷺ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیج رہے تھے تو ان سے پوچھا:

((كَيْفَ تَقْضِيْ اِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟)) قَالَ: اَقْضِيْ بِكِتَابِ اللّٰهِ قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى؟)) قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((فَاِنْ لَمْ تَجِدْ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَلَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ؟)) قَالَ: اَجْتَهِدُ رَأْيِيْ وَلَا آلُوْ۔ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ صَدْرَهٗ فَقَالَ: ((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لِمَا يُرْضِيْ رَسُوْلَ اللّٰهِ)) (۳۹)

''جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہوگا تو کیسے فیصلہ کرو گے؟'' جواب دیا: کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے دریافت فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں صراحت کے ساتھ ذکر نہ ہو تو پھر کیسے فیصلہ کرو گے؟'' جواب دیا: پھر سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا: ''اگر نہ سنت میں صراحت کے ساتھ ذکر ہو اور نہ ہی کتاب اللہ میں تو؟'' جواب دیا: ایسی حالت میں اپنی رائے سے امکانی حد تک اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اُس کے رسول کو پسند ہے۔''

(۲) ایک دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما دونوں کو

یمن کے الگ الگ علاقوں کا قاضی و گورنر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ ﷺ کے استفسار پر دونوں نے جواب دیا تھا:

اِذَا لَمْ نَجِدِ الْحُكْمَ فِي السُّنَّةِ نَقِيْسُ الْاَمْرَ بِالْاَمْرِ فَمَا كَانَ اَقْرَبُ اِلَى الْحَقِّ عَمِلْنَا بِهٖ، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: ((اَصَبْتُمَا))(۴۰)

''جب ہم سنت میں حکم نہیں پائیں گے تو ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کریں گے اور جو فیصلہ حق کے زیادہ قریب ہوگا اُس پر عمل کریں گے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم دونوں کی رائے درست ہے۔''

(۳) اسی طرح بلی کے جوٹھے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ یہ حرام نہیں ہے اور اس کی علت یہ بیان فرمائی کہ لوگوں کے گھروں میں کثرت سے آتی جاتی ہے۔(۴۱)

(۴) نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں قربانی کے گوشت کو ذخیرہ کرنے سے منع فرمایا تھا، لیکن بعد میں اس کی اجازت دے دی۔(۴۲)

(۵) حضرت حمزہ ؓ کی بیٹی کے رشتے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ''وہ میری رضاعی بھتیجی ہے اور میرے لیے درست نہیں''۔(۴۳) چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں سگی بھتیجی پر قیاس کیا، یعنی حرمت کی علت بھی بتادی۔

(۶) قبیلہ خثعم کی ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا میرے والد نے اسلام قبول کرلیا ہے اور وہ بہت زیادہ بوڑھے ہیں، سواری پر بیٹھ نہیں سکتے اور حج ان پر فرض ہو گیا ہے، تو کیا میں ان کی طرف سے حج ادا کر سکتی ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے اگر تمہارے والد پر قرض ہو تو وہ تم ادا کر سکتی ہو؟'' اس نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر ان کی طرف سے حج ادا کرو''۔(۴۴) گویا بندے کے قرض پر اللہ کے قرض کو قیاس فرمایا۔

(۷) ایک بدوی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میری بیوی کے ہاں ایک کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے لیکن مجھے اس میں شک ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''ان کے رنگ کیسے ہیں؟'' اس نے کہا: سرخ۔ آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ''ان میں گندمی رنگ کے بھی ہیں؟'' اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کہاں سے آ گئے؟'' اُس نے جواب دیا کہ کوئی رگ ہوتی ہے، اس کا اثر آ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس بچے کے ساتھ بھی یہی صورت ہو سکتی ہے''۔(۴۵) گویا نبی کریم ﷺ نے حیوانی وجود پر انسانی وجود کو قیاس فرمایا۔

نبی کریم ﷺ نے قیاس صحیح کی اجازت دی تھی اور اس پر اجر کا اعلان فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے:

((اِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَصَابَ فَلَهٗ اَجْرَانِ وَاِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ اَخْطَاَ فَلَهٗ اَجْرٌ))(۴۶)

''حاکم جب اجتہاد کے بعد صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے، اور اگر اجتہاد کے بعد غلط فیصلہ کرتا ہے تو ایک اجر ملتا ہے۔''

ایک اور جگہ یہ روایت الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ یوں وارد ہوئی ہے:

((اِذَا قَضَى الْقَاضِي فَاجْتَهَدَ فَاَصَابَ فَلَهٗ عَشْرَةُ اُجُوْرٍ وَاِذَا اجْتَهَدَ فَاَخْطَأَ كَانَ لَهٗ اَجْرٌ اَوْ اَجْرَانِ))(۴۷)

''قاضی جب اجتہاد کے بعد صحیح فیصلہ کرتا ہے تو اُس کو دس گنا اجر ملتا ہے۔ اور اگر اجتہاد کے بعد غلط فیصلہ کرتا ہے تو اس کے لیے ایک یا دو اجر ہیں۔''

صحابہ کرام ؓ نے بھی قیاس سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ نئے پیش آنے والے واقعات میں اجتہاد کرتے ہوئے ایک حکم کو دوسرے پر قیاس کرتے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے قاضی شریح کو خط لکھا تھا کہ جو واقعہ تمہیں پیش آئے اور اس کا حکم قرآن وسنت میں نہ ہو تو اس پر خوب سوچو اور اس کو پوری طرح سمجھنے کی کوشش کرو۔ پھر ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ پر قیاس کرو۔ معاملات کو مختلف نظریوں سے پہچانو۔ پھر جو تمہاری رائے میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسندیدہ ہو اور حق کے قریب ہو تو اس پر اعتبار کرو۔(۴۸)

حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے ''کلالہ'' (جس کے نہ والدین ہوں نہ اولاد) کی وراثت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

اقول فیھا برأی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ وان یکن خطأ فمنی ومن الشیطان(۴۹)

''میں اپنی رائے سے بات کہتا ہوں' اگر وہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے سمجھو۔''

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے عورت کے طلاق لینے کے اختیار کے متعلق فرمایا:

اجتھد فیھا برای ان اصبت فمن اللّٰہ وان اخطات فمنّی ومن الشیطان......الخ(۵۰)

''میں اپنی رائے سے فتویٰ دیتا ہوں۔ اگر صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے......''

قیاس میں صحابہ کرام ؓ کا بعض اوقات کسی ایک مسئلہ پر اختلاف بھی رہا ہے۔ چنانچہ اس حوالہ سے صحابہ کرام ؓ نے جو قیاس کیا اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) دادا کی موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ بھائیوں کو وراثت نہیں دلواتے تھے' لیکن حضرت عمر ؓ نے دادا کی موجودگی میں بھی بھائیوں کو وراثت دلوائی۔ حضرت ابوبکر ؓ نے دادا کو باپ تسلیم کیا ہے اور باپ کی موجودگی میں بنص قرآن بھائیوں کو وراثت نہیں ملتی۔ حضرت عمر ؓ نے اس کو باپ تسلیم نہیں کیا اور حضرت زید بن ثابت ؓ بھی ان کے ساتھ متفق الرائے ہیں۔(۵۱)

(۲) جس حاملہ عورت کا شوہر مر جائے اس کی عدت حضرت عمر بن خطاب ؓ نے وضع حمل مقرر کی ہے' لیکن حضرت علی ؓ کا قول ہے کہ وضع حمل اور چار مہینے دس دن کی مدت میں جو زمانہ زیادہ طویل ہوگا وہی اس کی عدت کا زمانہ ہوگا۔(۵۲)

(۳) ایک مطلقہ عورت جس نے اپنی عدت ہی میں نکاح کر لیا تھا' حضرت عمر ؓ نے اس کے موجودہ شوہر کو چند

کوڑوں کی سزا دے کر دونوں میں علیحدگی کرادی اور فرمایا کہ جو عورت عدت گزرنے سے پہلے نکاح کرلے اور اسی حالت میں اس سے مقاربت کرلی جائے تو اس شوہر پر وہ ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک پہلے شوہر کی عدت گزرنے کے بعد یہ شخص اس سے نکاح کرسکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ مصلحت عامہ کی بنا پر تھا جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اصول عامہ کی بنا پر تھا۔ حالات کے لحاظ سے روحِ شریعت میں دونوں کی گنجائش موجود ہے۔[۵۳]

حوالہ جات

(۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۷۔

(۲) سکروڈوی، جمیل احمد، قوت الاخیار شرح نور الانوار، ج ۱، ص ۴۳۔

(۳) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۵۸۔

(۴) ایضاً، ص ۶۱۔

(۵) ایضاً، ص ۶۲۔

(۶) شامی، علامہ، نشر العرف فی بناء بعض الاحکام العرف، ص ۱۸۔

(۷) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۲۔۹۳

(۸) ملا جیون، احمد بن سعید، نور الانوار بحوالہ فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۹۴۔

(۹) حنفی، عبدالعزیز، کشف الاسرار، ص ۳۵۹۔

(۱۰) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۲۰۔

(۱۱) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۰۸

(۱۲) ایضاً، ص ۹۹۔۱۰۰۔

(۱۳) چنانچہ اس حوالہ سے بخاری شریف میں یہ حدیث بھی آئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’کوئی شخص کسی قسم کا غلہ خریدے تو جب تک اس پر پوری طرح قبضہ نہ کرلے اسے نہ بیچے۔‘‘

(۱۴) البیضاوی، ناصر الدین ابو الخیر عبداللّٰہ بن عمر بن محمد، منہاج الاصول الی علم الاصول، ص ۲۴۔

(۱۵) ابن امیر الحاج، التقریر والتحبیر، ج ۳، ص ۸۰۔

(۱۶) الآمدی، علی بن محمد، الاحکام فی اصول الاحکام، ص ۲۶۶۔

(۱۷) ابو زہرہ، حیاتِ شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ص ۲۸۳۔

(۱۸) الجوزیہ، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ۱، ص ۳۰۔

(۱۹) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضراتِ فقہ، ص ۹۲۔

(۲۰) محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ص ۵۷۔

(۲۱) سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی ایچ ڈی، ص ۱۹۹۔

(۲۲) وھبۃ الزحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج ۵، ص ۵۳۵۔

(۲۳) القرطبی، ابوعبداللّٰہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، ج ۱، ص ۵۰۔

(۲۴) وهبة الزحیلی، ڈاکٹر، الفقه الاسلامی وادلته، ج٦، ص ٩٧۔
(۲۵) ایضاً، ج ۲، ص ۴۴۔
(۲۶) ابن ماجه، محمد بن یزید، السنن لابن ماجه، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم۔
(۲۷) احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ح ٣٤١٨۔
(۲۸) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۲۰۔۱۲۱۔
(۲۹) تاج الشریعه، عبیدالله بن مسعود، التوضیح والتلویح مع الحاشیة التوشیح، ص ٣٤۔
(۳۰) امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص ۱۲۲۔
(۳۱) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۱۴۰۔۱۴۱۔
(۳۲) سعید الرحمٰن، ڈاکٹر، استحسان (بحیثیت ماخذ قانون) مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی، ص ۲۰۷۔
(۳۳) ابن قدامہ، ابوعبداللہ، شمس الدین، روضة الناظر وجنة المناظر، ج ۲، ص ۲۲۷۔
(۳۴) العثیمین محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ٥٠٩۔
(۳۵) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۱۴۱۔
(۳۶) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، محاضرات فقہ، ص ۹٦۔
(۳۷) ایضاً، ص ۵۹۔۶۹۔
(۳۸) العثیمین، محمد بن صالح، شرح الاصول من علم الاصول، ص ٥١٢۔
(۳۹) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن لابی داؤد، کتاب القضاء، باب اجتهاد الرأی فی القضاء۔
(۴۰) الرازی، محمد بن عمر الحسین، المحصول فی علم الاصول، ج٥، ص ٥٢۔
(۴۱) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن لابی داؤد، ج١، ص ١٩۔
(۴۲) البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، ج ٥، ص ٢١١٦۔
(۴۳) القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج ٤، ص ١٦٤۔
(۴۴) احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ج ١، ص ٢٨٦۔
(۴۵) عبد الباقی، محمد فواد، اللؤلؤ والمرجان، ج ١، ص ٤٤٦۔
(۴۶) القشیری، مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، ج٥، ص ١٣٣۔
(۴۷) البخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب اجر الحاکم اذا اجتهد فاصاب او اخطأ۔
(۴۸) احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، ح٦٤٦٦۔
(۴۹) الجوزیه، ابن قیم، محمد بن ابی بکر، اعلام الموقعین، ج ١، ص٦٣۔
(۵۰) ملاجیون، احمد بن سعید، نور الانوار، ص ۲۵۰۔
(۵۱) ندوی، عبدالسلام، تاریخ فقہ اسلامی، ص ۱۵۵۔
(۵۲) ایضاً، ص ۱۵۲۔
(۵۳) امینی، محمد تقی، اجتہاد، ص ۵٦۔